ہیں۔ ایک سال میں میں نے ان کو دل سے نکال باہر کیا۔ اسی طرح ہوائے تعالیٰ شیطان پر غالب آگیا۔ حتیٰ کہ جان و دل اور نفس میں خلوص للّٰہی پیدا ہوگیا۔ مگر تب بھی مقصد حاصل نہ ہوا تو میں نے توکل اختیار کیا۔ اُس میں بھی کچھ غیریت محسوس ہوئی تو شکر اختیار کیا۔ اس میں بھی غیریت نظر آئی تو مشاہدہ میں مشغول ہوا اس میں بھی تسکین نہ ہوئی تو فقر اختیار کیا اور مقصد اصلی ہاتھ آگیا۔ اس طرح تمام صفاتِ بشری محو ہوگئے۔

صاحب اخبار الاخیار نے آپ کے صاحبزادے شیخ ضیاء الدین ابونصر موسیٰ سے روایت کی ہے کہ میرے والد ماجد نے فرمایا کہ میں جنگل میں تھا، پیاس کی شدت ہوئی، پانی کہیں نہ ملا تو بقدرتِ الٰہی ابر چھاگیا۔ خوب پانی برسا۔ اور میں سیراب ہوگیا۔ اُس کے بعد ایک نور ظاہر ہوا۔ اُس میں ایک شخص ظاہر ہوا اور کہا کہ "اے عبدالقادر! میں تمہارا پروردگار ہوں جو چیزیں دُوسروں پر حرام تھیں میں نے تم پر حلال کردیں"۔ آپ نے اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم پڑھا۔ یکایک تاریکی چھاگئی اور وہ صورت شیطانی غائب ہوگئی یہ کہتے ہوئے کہ "آپ نے علم الٰہی اور فقہ کے واسطے سے مجھ سے نجات پائی۔ میں نے ستر ہزار ایسے سالکوں کو بہکایا اور وہ ثابت قدم نہ رہ سکے۔ سبحان اللّٰہ! آپ کا علم اور ہدایت عجیب ہے جو حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے"۔ میں نے کہا یہ سب حق تعالیٰ کا احسان ہے۔ للّٰہ المنۃ فی البدایۃ والنہایۃ۔ [1]

مؤلف مناقب غوثیہ کا بیان ہے کہ آپ اکثر طعام بے نمک کھایا کرتے تھے۔ رات دن میں دو ہزار رکعت نفل پڑھتے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ مزمّل یا سورۂ رحمٰن کا التزام رہتا۔ ہر روز دُعاءِ سیفی، قصائد بانت سُعاد و بانت العظمۃ، بانت القدرہ، بانت الکرامہ اور عظمت کبیر وغیرہ کا ورد رہا کرتا تھا۔

(مُسلسل)

---

[1] درالدارین جلد ۱ صفحہ ۴۳۔

جناب ابو سلمان شاہجہانپوری

مولانا سندھیؒ کی خدماتِ سندھ کا ایک یادگار صفحہ

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن ان کی قسمت میں روزِ ازل سے اسلام کی سعادت لکھی تھی ان کی فیروز بختی نے انہیں اسلام سے متعارف کرایا۔ وہ اسلام کی صداقت و حقانیت کا دل پر نقش لے کر ایک رات کو گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ گھر سے نکل کر وہ سب سے پہلے ضلع مظفر گڑھ کے ایک قصبے کوٹلہ رحم شاہ میں پہنچے۔ چند دن بعد معلوم ہوا کہ ان کے خاندان والے ان کی تلاش و تعاقب میں ہیں تو یہاں سے بھی سفر پر آمادہ ہوئے اور سندھ کا رخ کیا۔ بھرچونڈی (ضلع سکھر) میں حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیق علیہ الرحمہ کی خانقاہ اور مرکز رشد و ہدایت کی شہرت سندھ سے نکل کر پنجاب اور ہندوستان کے دیار و امصار تک پہنچ چکی تھی۔ حضرت کی ذاتِ قدسی صفات بلا تفریق مذہب و ملت مرجع خلائق تھی۔ مولانا سندھی نے بھی اسی آستانہ فیض کا رخ کیا کہ اگر ان کے لئے کوئی پناہ گاہ ہو سکتی ہے تو یہی آستانہ اور یہی خانقاہ رشد و ہدایت ہو سکتی ہے۔ حضرت سید العارفین نے اس نومسلم بچے کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا اور ان کی تعلیم و تربیت اسلامی پر توجہ فرمائی۔ مولانا فرماتے ہیں:

"چند ماہ میں ان کی صحبت میں رہا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لئے اس طرح طبیعت ثانیہ بن گئی، جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے"

ایک روز حضرت نے اپنے مریدین و مسترشدین کے حلقے میں فرمایا:

"عبید اللہ نے اللہ کے لئے ہم کو اپنا ماں باپ بنایا ہے۔"

تقریباً باون ۵۲ برس گزرنے کے بعد مولانا لکھتے ہیں:

"اس کلمہ مبارکہ کی تاثیر خاص طور پر میرے دل میں محفوظ ہے میں انہیں اپنا دینی باپ سمجھتا ہوں اور محض اس لئے سندھ کو وطن بنایا یا بن گیا۔"

مولانا سندھی مرحوم کی زندگی کے اس پہلو میں ہمارے لئے بڑی بصیرت اور سبق ہے۔ ان کے لئے اس سرزمین میں کیا تھا جو ملک کے کسی دوسرے خطے میں میسر نہ آسکتا تھا۔ جب انہوں نے اپنا آبائی گھر چھوڑ دیا تو انہیں کسی ایک جگہ کے مسکن سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ وہ ملک کے جس حصے میں نکل جاتے اور جس قریہ و مصر میں ایک سائبان بنا کر بیٹھ جاتے وہی ان کا وطن بن جاتا۔ وہ اپنے علم و فضل کی پونجی لے کر جدھر بھی نکلتے، عقیدت کیشوں اور نیازمندوں کا ایک ہجوم ان کے استقبال و پذیرائی کے لئے موجود ہوتا۔ وہ اپنی فکر و نظر کی دکان جہاں بھی لگاتے علم و بصیرت کے طالب پروانوں کی طرح اس شمع پر اپنی جان نچھاور کرتے لیکن اس وفا سرشت نے جب ایک مرتبہ اپنا ہاتھ ایک مربی کے ہاتھ میں ہاتھ میں دے دیا تو پھر چھڑانا گوارا نہ کیا۔ جس کے سایہ عاطفت میں انہوں نے زندگی کے چند ماہ گزارے تھے اس کی چوکھٹ سے ترکِ تعلق کا خیال بھی زندگی بھر ان کے دل میں نہ آیا تھا۔ جس محسن نے ان کی غربت و مسافرت کے ایام میں ان کے لئے ایک جائے سکون مہیا کی تھی اور اپنی اور اپنی مربیانہ شفقتوں اور محبتوں سے نوازا تھا ان کی احسان مند طبیعت نے اس محسن کی ذات سے، اس کی اولاد سے، اس کے خلفاء سے، اس کے مریدین و مسترشدین سے بلکہ اس کے سنگِ آستان سے۔ اس کے قریہ و شہر سے اور اس کے صوبے سے محبت و تعلق کو اپنا وظیفہ حیات سمجھ لیا۔ زندگی بھر اس خانوادے سے نسبت اور اپنے سندھی ہونے پر فخر کرتے رہے پھر یہ فخر محض زبانی نہ تھا۔ اپنے عمل اور اپنی زندگی کے طور طریقوں سے اس کا ثبوت دیا۔ انہوں نے سندھی معاشرت کو اپنایا، یہاں کی وضع و لباس سے محبت کی، سندھی زبان کو بہ ذوق و شوق سیکھا اور اس وقت جب کہ وہ تعلیم سے فراغت پا چکے تھے وہ ملک کے کسی حصے میں نکل جاتے اور اسے اپنا وطن بنا لیتے تو آج سندھ میں کوئی شخص ان کو بے وفائی کا طعنہ نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن وہ وفا سرشت تعلیم ختم کرتے ہی سندھ کی طرف لوٹا اور سب سے پہلے اسی آستانہ قدسی پر اپنی عقیدتوں کا نذرانہ پیش کیا۔

اگرچہ ان کا میدان عمل ہندوستان کے مشرقی اضلاع سے لے کر وسط ہند اور شمالی مغربی سرحدی صوبے تک پھیلا ہوا تھا لیکن انہوں نے تعلیم و اصلاح اور رشد و ہدایت کا خاص موضوع اسی خطے کو اور وادیٔ مہران اور اس کے باسیوں کو بنایا۔ سندھ ان کی جہد و سعی کا سب سے بڑا میدان رہا ہے، انہوں نے سندھی کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا۔ یہاں انہوں نے تحریکِ آزادی کو پروان چڑھایا کاروانِ حریت کو منظم کیا اور جادہ استقلال پر روانہ کیا۔ وہ پورے ملک میں سندھ کے اسلامی مزاج، سندھ کی تہذیب اور سندھ کی معاشرت کے ترجمان و نمائندہ تھے۔ انہوں نے سندھ میں علوم و معارف اسلامیہ سے دلچسپی اور لگن پیدا کی، سندھ میں تعلیم کو فروغ دیا اور جہالت دور کرنے کی تحریک میں حصہ لیا۔ انہوں نے سندھی زبان کو اپنے انقلابی افکار اور اسلامی تحقیقات سے مالا مال کر دیا۔ انہوں نے سندھ میں اسلامی علوم میں تحقیق و مطالعہ کے مراکز قائم کئے، سندھ کو اپنی سیاسی تحریک اور اپنے افکار و تجرباتِ سیاسی کا مرکز قرار دیا اور آخر تک ان کی خواہش تھی کہ سندھ کو ان کے افکارِ سیاسی کی تجربہ گاہ بنایا جائے۔ سندھ ان کا وطن مادری نہ تھا بلکہ بنایا ہوا وطن تھا۔ لیکن جب انہوں نے ایک مرتبہ اُسے اپنا وطن زبان سے کہہ دیا اور ذہن سے قبول کر لیا تو پھر اس بات کو کبھی فراموش نہ کیا کہ سندھ ان کا وطن ہے اور ان پر اس کے حقوق ہیں۔ تقریباً چوبیس سال ملک سے باہر رہے اور جلا وطنی کی زندگی گزاری لیکن وہ جہاں بھی رہے سندھ سے ان کا رشتہ ہمیشہ برقرار رہا۔ سندھ سے ان کا تعلق ایسا ہی تھا جیسا اسلام سے تھا انہیں ان دونوں نسبتوں میں کوئی تضاد نظر نہ آیا۔ آخر یہ کس کا فیضانِ نظر اور کس مکتب کی کرامت تھی کہ مولانا سندھی مرحوم کی طبیعت میں اتنا بڑا انقلاب آ گیا؟

حضرت سید العارفین کی ولایت کے ثبوت کے لیے صرف یہ ایک واقعہ کفایت کرتا ہے۔ ان کے اس ایک جملے نے کہ "عبید اللہ نے اللہ کے لئے ہم کو اپنا ماں باپ بنایا ہے" مولانا سندھی کی کس طرح کایا پلٹ کر دی، اس کا اندازہ مولانا مرحوم کی زندگی اور ان کے کارناموں پر نظر ڈالنے سے ہو سکتا ہے۔

مولانا سندھی نسلاً سندھی نہ تھے ان کی قومیت اختیاری تھی لیکن سرزمینِ سندھ سے نسبت کو انہوں نے دل کی گہرائیوں سے قبول کیا تھا اس لیے انہوں نے "سندھی" کے لفظ کو اپنے نام کا جزو

بنا لیا اور یہ لفظ ان کے نام کے ساتھ ایسا چسپاں ہوا کہ برصغیر پاک وہند کے کسی گوشے میں چلے جائیے اور کسی معمولی پڑھے لکھے شخص سے جسے تاریخِ آزادی اور اسلامیات کے مطالعے سے دلچسپی ہو یا عرب و حجاز کا کوئی صاحبِ علم ہو اگر اس سے پوچھا جائے کہ مولانا سندھی سے کون شخصیت مراد ہے تو ہندوستان کے دُور دراز قریہ و مصر اور عرب و حجاز کی علمی دنیا میں صرف ایک ہی جواب ہوگا کہ مولانا سندھی سے مراد سندھ کے مشہور عالم دین، مفکّر، انقلابی، سیاست داں، اور فلسفۂ ولی اللّٰہی کے سب سے بڑے شارح مولانا عُبید اللہ ہیں۔

سرزمینِ سندھ سے بڑے بڑے اہلِ علم پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں مفسّر ہیں، محدّث ہیں، فقیہ ہیں، فلسفی ہیں لیکن ان میں کوئی ٹھٹھوی ہے، کوئی حیدرآبادی ہے، کوئی ہالائی ہے، کوئی جیکب آبادی ہے۔ ان میں سے کوئی لاڑکانہ سے اپنی نسبت رکھتا ہے، کوئی دادو سے، کوئی کراچی کا ہے کوئی سکھر سے اپنے تعلق پر نازاں و فرحاں ہے۔ لیکن "سندھی" کم از کم اس بیسویں صدی میں صرف ایک پیدا ہوا ہے جسے دنیا عُبید اللہ کے اسم سامی سے جانتی ہے۔

نسبت کسی شخص سے ہو، خواہ کسی سرزمین سے، خواہ کسی مکتبۂ فکر سے، خواہ کسی خاندان یا قبیلے سے ہو۔ اس نسبت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں اور ضروری ہوتا ہے کہ ان تقاضوں کا جواب دیا جائے۔ صرف اس ایک چیز کی روشنی میں انسان کی سیرت کی عظمت یا پستی کا فیصلہ کر دیا جا سکتا ہے۔ مولانا سندھی مرحوم کا پہلا رشتہ حضرت سیّد العارفین اور ان کے خانوادہ رشد و ہدایت سے تھا اور اس کے تعلق سے انہوں نے سندھ کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ مولانا سندھی مرحوم کی شخصیت اور سیرت کا یہ پہلو نہایت نمایاں ہے کہ جب انہوں نے حضرت سیّد العارفین کو اپنا دینی باپ کہا تو پھر اس خانوادے سے ہمیشہ کے لیے اسی طرح وابستہ ہوگئے جس طرح خاندان کے ایک فرد کو اس سے وابستہ ہو جانا چاہیئے تھا۔ حضرت سیّد العارفین کے وصال کے بعد ان کے خلفا سے بھی اسی عقیدت و نیاز سے ملتے رہے اور اپنے تعلق کو قائم رکھا۔

مولانا سندھی مرحوم نے سندھ سے اپنی محبت کا متعدد مواقع پہ اظہار کیا ہے۔ ۱۲ر جولائی ۱۹۴۰ء ٹھٹھہ ضلع کانگریس کمیٹی کا نفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

"مجھے سندھ سے محبت ہے۔ یہ میرے دینی باپ کا وطن ہے۔ میں نے

آئے۔ ۵ سال سے اپنا وطن بنایا ہے۔ اس سرزمین کو سیراب کرنیوالے دریا کی ہماری مذہبی کتابوں میں تقدیس کی گئی ہے۔ میں نے اُس کے کنارے بچپن سے پرورش پائی ہے۔"

"مجھے اس شہر (ٹھٹھہ) سے محبت ہے۔ اس میں مقدس علماء اور عارفین کا بڑا مجمع رہا ہے۔ آخری زمانے میں مخدوم محمد معین کا گھر اسی شہر میں تھا، وہ شاہ عبداللطیف کے ہم صحبت بزرگ تھے اور انہوں نے ہمارے امام ولی اللہ دہلوی سے استفادہ کیا تھا، اس طرح یہ شہر ہماری حکمت کا ابتدا سے معدن ہے۔"

تعجب ہے کہ آج اگر کوئی شخص اپنے سندھی ہونے پر فخر کرے اور وطن سے محبت کا اظہار کرے تو سمجھا جاتا ہے گویا اس نے اسلام سے انکار کر دیا۔ اسے ملکی سالمیت کے اعلیٰ تصور اور نظریۂ پاکستان کے منافی سمجھا جاتا ہے لیکن کیا سندھ سے محبت کے اس دعوے کے بعد مولانا سندھی کے اسلام اور ایمان میں شک کیا جا سکتا ہے؟ اگر ہم اس معصیت کا تصور نہیں کر سکتے تو اسی بات کے لیے آج کسی کو کیوں مطعون کیا جا سکتا ہے؟

مولانا سندھی مرحوم نے سندھ سے اپنی محبت کا صرف زبانی اظہار ہی نہیں کیا بلکہ زندگی کے ہر ہر لمحے سے اس کا عملی ثبوت بھی پیش کیا ہے۔ جب ایک مرتبہ انہوں نے سندھ کو اپنا بنا لیا تو پھر اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کیا کہ وہ ایک سندھی ہیں اور سندھ سے ان کی نسبت کے کچھ تقاضے ہیں، انہوں نے بدل وجان اس نسبت کے تقاضوں کو پورا کیا۔

- انہوں نے نہایت ذوق وشوق کے سندھی زبان سیکھی۔
- سندھی معاشرت اختیار کی۔
- سندھی تہذیب میں اپنے آپ کو رنگ لیا اور
- سندھ کی تعمیر و ترقی میں اسی جذبے اور دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا جس جذبے اور دلچسپی کے ساتھ ایک سندھی کو حصہ لینا چاہیے تھا۔
- ابتدائی دور میں مولانا سندھی بھرچونڈی میں صرف چند ماہ مقیم رہے تھے۔ پھر وہ

طالب علم بن نکل کھڑے ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے ریاست بہاول پور کے مختلف مدارس اور علمائے دین سے حاصل کی۔ اس کے بعد دیوبند کے لیے رخت سفر باندھا اور ایک مدت تک دیوبند، کانپور، رام پور، گنگوہ اور دہلی میں علوم اسلامی کی تکمیل کے بعد جنوری ۱۸۹۱ء میں سندھ واپس تشریف لے آئے اور سب سے پہلے اسی آستانہ قدسی اور خانقاہ رشد و ہدایت پر حاضری دی جو ہجرت الی اللہ کے بعد ان کی پناہ گاہ بنی تھی اور سب سے پہلے اسی بزرگ ہستی کے مزار اقدس پر سلام ارادت پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئے جس کے سایۂ عاطفت نے ان کی پہلی مسافرت و غربت میں ان کے لیے جائے امن و راحت مہیا کی تھی۔

مولانا سندھی مرحوم نے ۱۴، ۱۵ برس کی عمر میں اپنا آبائی وطن چھوڑ دیا تھا ان کی تعلیم کا سب سے پہلا مرحلہ شمالی ہند اور یوپی کے اضلاع میں طے ہوا تھا۔ وہ چاہتے تو شمالی ہند کے کسی قریہ و شہر کو اپنا وطن بنا سکتے تھے لیکن ان کی وفا سرشت طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنی پہلی جائے پناہ کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے۔

مولانا سندھی اپنے زمانہ طالب علمی سے ذہن و فکر کے اس اعلیٰ مقام پر تھے کہ وہ برصغیر پاک و ہند کے جس خطے میں سکونت کی خواہش کا اظہار فرماتے ان کے لیے وہ سب کچھ مہیا کر دیا جاتا جو سندھ میں انہیں میسر تھا لیکن انہوں نے اپنی ذاتی زندگی کی آرام و آسائش کے مقابلے میں اس سرزمین کے حقوق کو پیش نظر رکھا جسے وہ اپنا وطن بنا چکے تھے۔

مولانا سندھی مرحوم تعلیم سے فراغت کے بعد سندھ واپس تشریف لائے تو ان کے پیش نظر سندھ کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینے اور اپنا حق ادا کرنے کے لیے ایک پروگرام تھا اور ہجرت و جلا وطنی سے پہلے وہ جب تک ملک میں رہے سندھ اور اہل سندھ کی خدمت سے ایک لمحے کے لیے غافل نہیں ہوئے اور جب وہ ملک سے باہر گئے تب بھی ان کے ذہن میں یہ بات موجود تھی کہ وہ جس طرح ہندوستانی قومیت رکھتے ہیں اسی طرح ہندوستانی قومیت میں ان کا تعلق سندھ کی سرزمین اور اس کی تہذیب سے ہے۔

○—— مولانا سندھی مرحوم نے اپنے پہلے سیاسی پروگرام کے مطابق جو انہیں کے الفاظ میں "اسلامی بھی تھا اور انقلابی بھی" کام شروع کیا اور جماعت بنائی تو اس کا پہلا میدانِ عمل سندھ تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ان کے اس کام کو پسند فرما کر انہیں چند ہدایات دیں اور بعض اصلاحات کے بعد اس کا تعلق تحریکِ اتحاد اسلامی سے جوڑ دیا۔

○—— ۱۸۹۸ء میں دیوبند کے سفر سے واپس آئے تو پہلے آپ نے امروٹ میں اپنے اُستاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے نام پر ایک مطبع محمود المطابع کے نام سے قائم کیا۔ جس سے انہوں نے عربی اور سندھی زبان میں بعض قیمتی علمی نوادر کو چھاپ کر انہیں دستبرد زمانے سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا[1]۔ اس طرح سندھ کی علمی تاریخ میں انہوں نے بیش بہا اضافہ کر کے بھی سندھ سے اپنی وابستگی کا حق ادا کر دیا۔

○—— اس مطبع سے وہ ایک مدت تک ایک ماہوار رسالہ ہدایت الاخوان[2] کے نام سے نکالتے رہے۔ اس طرح انہوں نے صحافت کے ذریعے بھی دینی وسیاسی خدمات انجام دیں۔

مولانا تقریباً دو سال تک علمی نوادر کی طباعت واشاعت اور صحافت کے ذریعہ صوبہ سندھ اور ملک کی خدمت میں مصروف رہے۔

○—— اس کے بعد انہوں نے گوٹھ پیر جھنڈا (ضلع حیدرآباد) میں دارالارشاد کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا اور تقریباً آٹھ سال تک علوم ومعارفِ اسلامی کے درس او تدریس میں مصروف رہے اور مخصوص طلبہ اور اصحاب استعداد کو امام الہند حضرت

---

[1] ڈاکٹر نبی بخش خاں صاحب بلوچ لکھتے ہیں "اس سلسلے میں طحاوی کے عقائد (سندھی) اور دو دیگر رسالے چھا
مجلہ مہران حیدرآباد ۱۹۵۷ء سوانح نمبر صفحہ ۲۷۴ [2] ڈاکٹر نبی بخش خاں صاحب نے اس کا نام اخوان المر
لکھا ہے اس رسالے کا کوئی نمبر ابھی تک بعض اہلِ علم اور اصحابِ نظر کو بھی دستیاب نہیں ہوا۔

○ مولانا سندھی مرحوم نے اپنے پہلے سیاسی پروگرام کے مطابق جو انہیں کے الفاظ میں "اسلامی بھی تھا اور انقلابی بھی" کام شروع کیا اور جماعت بنائی تو اس کا پہلا میدانِ عمل سندھ تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ان کے اس کام کو پسند فرما کر انہیں چند ہدایات دیں اور بعض اصلاحات کے بعد اس کا تعلق تحریکِ اتحادِ اسلامی سے جوڑ دیا۔

○ ۱۸۹۸ء میں دیوبند کے سفر سے واپس آئے تو پہلے آپ نے امروٹ میں اپنے اُستاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے نام پر ایک مطبع محمود المطابع کے نام سے قائم کیا۔ جس سے انہوں نے عربی اور سندھی زبان میں بعض قیمتی علمی نوادر کو چھاپ کر انہیں دستبردِ زمانے سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا[1]۔ اس طرح سندھ کی علمی تاریخ میں انہوں نے بیش بہا اضافہ کر کے بھی سندھ سے اپنی وابستگی کا حق ادا کر دیا۔

○ اس مطبع سے وہ ایک مدّت تک ایک ماہوار رسالہ ہدایت الاخوان[2] کے نام سے نکالتے رہے۔ اس طرح انہوں نے صحافت کے ذریعے بھی دینی و سیاسی خدمات انجام دیں۔

مولانا تقریباً دو سال تک علمی نوادر کی طباعت و اشاعت اور صحافت کے ذریعے صوبہ سندھ اور ملک کی خدمت میں مصروف رہے۔

○ اس کے بعد انہوں نے گوٹھ پیر جھنڈا (ضلع حیدرآباد) میں دارالارشاد کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا اور تقریباً آٹھ سال تک علوم و معارفِ اسلامی کے درس اور تدریس میں مصروف رہے اور مخصوص طلبہ اور اصحابِ استعداد کو امام الہند حضرت

---

[1] ڈاکٹر نبی بخش خاں صاحب بلوچ لکھتے ہیں "اس سلسلے میں طحاوی کے عقائد (سندھی) اور دو دیگر رسالے چھاپے۔ مجلہ مہران، حیدرآباد ۱۹۵۷ء سوانح نمبر صفحہ ۲۷۲۔ [2] ڈاکٹر نبی بخش خاں صاحب نے اس کا نام اخوان المسلمین لکھا ہے اس رسالے کا کوئی نمبر ابھی تک بعض اہلِ علم اور اصحابِ نظر کو بھی دستیاب نہیں ہوا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حکمت اور ان کے فلسفے کے مطابق قرآن حکیم کا درس دیتے رہے ہے۔

دارالاشاد کے پہلے دور یعنی مولانا سندھیؒ کی ہجرت کابل کے قبل کے فیض یافتگان میں علامہ اسد علی محدث سندھی، مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوریؒ، قامع البدعت مولانا سید ضیاء الدین صاحب العلم، مشہور مفسر و محقق مولانا عبداللہ لغاری، مولانا محمد اکرم محدث ہالائی، مفتی عبدالقادر سندھی وغیرہ اور ایک روایت کے مطابق مولانا سید وہب اللہ صاحب العلم اور حضرت علامہ عبدالکریم کوڈائی رحمہم اللہ اجمعین نے بھی مولانا سندھی سے استفادہ کیا تھا۔

اور دارالاشاد کے دوسرے دور یعنی ۱۹۳۹ء کے بعد جب کہ مولانا سندھی وطن واپس آگئے تھے۔ مولانا محمد علی کاکیپوتا، مولانا عبدالحق ربانی، مولانا حافظ محمد عقیل نزیلِ سندھ، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ڈائرکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈمی مدیر ماہنامہ الولیؔ حیدرآباد وغیرہم نے حضرت مولانا کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔[1]

مولانا سندھی مرحوم کے یہ وہ تلامذہ ہیں جنہوں نے سندھ کی علمی، تہذیبی، دینی، سیاسی تاریخ پر اپنے مستقل نقوش چھوڑے ہیں۔ اور دورِ آخر میں ان حضرات نے اپنے کارناموں سے سندھ کی علمی اور سیاسی تاریخ کے اوراق کو جگمگا دیا ہے۔ سندھ کی تاریخ میں ان حضرات کا مستقل مقام ہے۔ اگر ان حضرات کے علمی، دینی اور سیاسی کارناموں کو تاریخ سندھ سے نکال لیا جائے تو ایک ایسا خلا پیدا ہو جائے گا جو پُر نہیں کیا جا سکتا۔ کیا سندھ کی خدمت کے باب میں مولانا علیہ الرحمۃ کی عظمت اور ان کے شرف کے لیے یہ کوئی معمولی بات ہے کہ انہوں نے سندھ کی تاریخ کو اتنے بہت سے اصحاب علم وفن اور مجاہدینِ حریت ایک وقت میں دیئے ہیں۔

---

[1] مولانا قاسمی صاحب نے اپنے مقالہ مشمولہ "الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن" میں مذکورہ بالا اصحابِ علم وفضل اور ان کی خدماتِ علمیہ وجلیلہ کا تذکرہ کیا ہے۔